JIHĀT-UL-ISLĀM
Vol: 14, Issue: 01, July – December 2020

OPEN ACCESS
JIHĀT-UL-ISLĀM
pISSN: 1998-4472
eISSN: 2521-425X
www.jihat-ul-islam.com.pk

عہدِ جدید کے معاشی مسائل اور تکملہ فتح الملہم

Economic Issues Of Modern Age And Takmila Fath al-Mulhim

Dr. ZIll-e-Huma*
Assistant Professor, Lahore College for Women, Jhang Campus, Jhang.

Abstract

The discipline of Hadith studies is one of the richest and exclusive discipline of knowledge as its branches extend to hundred. The religious scholars had written thousands monograph concerning Hadith interpretations and explanations. Many voluminous works appeared and existed and each of them is a commendable contribution to Hadith explanations. One of the significant works on Hadith explanations is "Takmila Fath-al-Mulhim" that is the result of scholastic efforts of many years by Mufti Muhammad Taqi Usmani. This explanation of Hadith Book Muslim was originated and finished till the "Section of Marriage" but he could not extend it to the last chapter due to his political engagements and later his demise closed the chapter. Mufti Muhammad Taqi Usmani completed the remaining work in eighteen years and nine months. The economic issues play key role in human life as personal survival and growth of each and every one is directly linked with financial status. The Holy Quran gives core principles for a prosperous society that is based on economic justice. The second basic resource of Sharia is Hadith that also provides a complete model of pragmatic teachings for monetary dealings, philanthropic activities and prohibited business. The scholars of Hadith sciences have discussed all dimensions of socio economic issues in their books of Hadith explanations. The famous scholar Mufti Muhammad Taqi Usmani in his marvelous book "Takmila Fath al-Mulhim" has also discussed modern economic issues in details. The article has been written in analytical and critical mode.

Keywords: *Takmila Fath al-Mulhim, Hadith, Economic Issues.*

CC BY

دوسری صدی ہجری کے بعد حدیث کی باقاعدہ تدوین شروع ہوئی اور تیسری صدی ہجری میں ائمہ ستہ کی مشہور زمانہ تالیفات وجود میں آگئیں۔ احادیث کی جمع و ترتیب اور تہذیب کا یہ سلسلہ چلتا رہا اور مختلف انداز سے محدثین احادیث کو ترتیب دینے کی خدمات سرانجام دیتے رہے لیکن اس میں جو تلقی بالقبول صحیحین کو حاصل ہوا اور ان کی صحت پر امت مسلمہ کا جو اجماع ہوا، یہ مقام عظیم کسی اور مجموعہ حدیث کو حاصل نہ ہو سکا۔ علمائے کرام اس بات پر متفق ہیں کہ صحیحین کی شروح میں سے ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) کی فتح الباری "بدرالدین عینیؒ (۸۵۵ھ) کی "عمدۃ القاری" علامہ ابوزکریا یحیٰ بن شرف النووی (٦٤٦ھ) کی "صحیح مسلم بشرح النووی"، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (۱۳٦۹ھ) کی "فتح الملہم" اور جسٹس تقی عثمانی کی "تکملہ فتح الملہم" کو اہم اور نمایاں مقام حاصل ہے۔ مفتی تقی عثمانی صاحب کی شرح ہذا در اصل شبیر احمد عثمانی کی شرح "فتح الملہم" کا تکملہ ہے۔ یہ صحیح مسلم کی عظیم الشان شرح ہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی نے چودہویں صدی ہجری کے وسط میں "صحیح مسلم" کی شرح "فتح الملہم" لکھنے کا آغاز کیا۔ آپ نے یہ شرح "کتاب النکاح" تک تحریر فرمائی تھی کہ مسلمانوں کے لیے پاکستان کی شکل میں ایک ایسے خطہ کے حصول کی کاوشیں شروع ہو گئیں، جہاں مسلمان انگریزوں اور ہندوؤں کی غلامی سے نکل کر آزادی کی زندگی گزار سکیں۔ انگریزوں کی قوت اور ہندوؤں کی اکثریت سے مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ خطہ کا حصول ایک خواب کی حیثیت رکھتا تھا۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی اس خواب کی عملی تعبیر میں سرگرم ہوئے تو تصنیف و تالیف کا کام رک گیا اور "کتاب النکاح" سے آگے نہ بڑھ سکا۔ یہاں تک کہ ۱۳٦۹ھ بمطابق ۱۹۴۹ء کو آپ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے اور "فتح الملہم" کا یہ کام تشنۂ تکمیل رہ گیا۔ تقریباً پچاس سال کا عرصہ اسی طرح گذر گیا، یہاں تک کہ شرح ہذا کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا محمد تقی عثمانی کو منتخب فرمایا۔ انہوں نے اپنے والد ماجد حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع کے حکم پر ۲۵ جمادی الاول ۱۳۹٦ھ کو اس کام کا آغاز کیا اور تقریباً پونے انیس سال کی خاموش محنت کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ۲٦ صفر ۱۴۱۵ھ کو مولانا محمد تقی عثمانی کے ہاتھوں سے "فتح الملہم" کی تکمیل فرمادی۔ محمد تقی عثمانی صاحب موجودہ دور کے عظیم محقق، مدبر، مفسر، محدث اور مفکر ہیں۔ موصوف کی اس شرح میں یکجا اتنا محدثانہ اور محققانہ مواد مل جاتا ہے کہ صرف اسی ایک تصنیف کو متعلقہ مباحث میں ایک کتب خانہ کے قائم مقام قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس طرح یہ تصنیف اساتذۂ حدیث اور طالبان علوم نبوت کے لیے ایک گراں قدر علمی تحفہ، مباحث، معلومات، فوائد و نکات اور نادر تحقیقات و تنقیحات کا ایسا خزانہ بن گئی ہے جو انہیں سینکڑوں کتابوں کی ورق گردانی سے محفوظ کر دیتی ہے۔ مقالہ ہذا تکملہ فتح الملہم میں موجود عصر حاضر کے درپیش معاشی مسائل کی تحقیق سے متعلق ہے۔

صاحبِ تکملہ کو عربی زبان پر قدرت اور عصری علوم میں دسترس حاصل ہے۔ انہوں نے مسائلِ جدیدہ کے حل میں اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ صرف کیا اور قدرت کی طرف سے انہیں اسلامی نظریاتی کونسل، وفاقی شرعی عدالت، مختلف اسلامی بینکوں اور اقتصادی مراکز میں جدید مسائل کو سمجھنے اور ان کے شرعی احکام واضح کرنے کے مواقع میسر آئے۔ چنانچہ انہوں نے شرح ہذا میں جدید مسائل کا حل امت کے سامنے پیش کیا ہے۔ مفتی تقی عثمانی صاحب کی شرح کو شروح حدیث میں ایک خاص امتیازی حیثیت حاصل ہے، کیونکہ اس میں پچھلی تمام شروح کے اہم مباحث کو نہایت انضباط اور اختصار و جامعیت کے ساتھ مرتب کرنے کے علاوہ موجودہ زمانے کے جدید مسائل

پر محققانہ بحث کی گئی ہے، جو دیگر شروح میں کہیں دستیاب نہیں۔ عصرِ حاضر میں جو نئے مسائل پیدا ہوئے ہیں اور جن کا تذکرہ فقہ و حدیث کی کتبِ قدیم میں نہیں ملتا، ان کی مفصل تحقیق (مثلاً بیع کے حقوق، نوٹوں کی شرعی حیثیت، ہنڈی کا کاروبار اور بیع بالشرط کے احکام وغیرہ) شرح ہذا میں موجود ہے۔ گویا جدید مسائل کی تحقیقات میں یہ شرح موجودہ دور کا انسائیکلوپیڈیا ہے اور اسے عصرِ حاضر میں صحیح مسلم کی سب سے عظیم شرح قرار دیا جانا بے جا نہ ہوگا۔ امورِ معاشیہ سے متعلق مسائلِ جدیدہ کے بیان میں مفتی تقی عثمانی صاحب کے دو مناہج سامنے آئے ہیں: ایک منہج یہ ہے کہ انہوں نے مستقل عناوین کے تحت معاشی مسائل پر بحث کی ہے اور دوسرا احادیث کی شرح کے تحت ضمناً عصرِ حاضر کے تناظر میں بات کی ہے۔ اولاً ان مسائل پر روشنی ڈالی جائے گی، جنہیں مصنف موصوف نے مستقل عناوین کے تحت بیان کیا، بعد ازاں شرح احادیث کے دوران مستنبط عصری مسائل ذکر کیے جائیں گے۔

حقوقِ مجردہ کی خرید وفروخت کا مسئلہ

عصرِ حاضر میں شخصی حقوق کی مختلف قسمیں وجود میں آ گئی ہیں جو حقیقت میں "اعیان" (وہ اشیاء جن کا ذاتی وجود ہے) نہیں ہیں، لیکن بازاروں میں خرید وفروخت کے ذریعے ان کا لین دین رائج ہے۔ قوانینِ وضعیہ نے ان میں سے بعض حقوق کی فروختگی کی اجازت دی ہے اور بعض کی فروخت ممنوع قرار دی ہے لیکن بازار اس طرح کے معاملات سے بھرے ہوئے ہیں۔ مثلاً مکانات اور دکانوں کی پگڑی، مخصوص تجارتی نام یا Trade Mark یا تجارتی لائسنس کا استعمال، حقِ تصنیف واشاعت اور حقِ ایجاد وغیرہ۔ یہ تمام حقوق موجودہ تجارتی عرف میں ملکیت قرار دیئے جاتے ہیں۔ ان پر شخصی اموال واملاک کے احکام جاری ہوتے ہیں، بالکل اعیان اور مادی اموال کی طرح ان کی بھی خرید وفروخت ہوتی ہے۔ انہیں کرایہ پر دیا جاتا ہے، ہدیہ کیا جاتا ہے، ان میں میراث جاری ہوتی ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسلامی شریعت کی رو سے ان حقوق کو اموال قرار دے کر ان کی خرید وفروخت کرنا یا کسی جائز طریقے سے ان کا عوض لینا جائز ہے یا نہیں؟ مفتی تقی عثمانی صاحب نے اس ضمن میں حقوق کی درج ذیل انواع:

۱۔الحقوق الشرعية

۲۔حقوق استيفاء المال

۳۔ الحقوق التی هی منافع بنفسها

۴۔الحقوق التی تتعلق باجازات مكتوبة

بیان کرتے ہوئے ہر نوع کے احکام ذکر کیے ہیں۔

۱۔ حقوقِ شرعیہ کی خرید وفروخت کا مسئلہ

حقوقِ شرعیہ سے مراد وہ حقوق ہیں جو شارع کی طرف سے ثابت ہیں۔ قیاس کا ان میں کوئی دخل نہیں ہے یعنی ان کا ثبوت اصحابِ حقوق کے لیے شارع کی طرف سے "نصِ جلی" یا "نصِ خفی" کی بنا پر ہوا ہے۔ اگر نص نہ ہوتی تو وہ حق ثابت نہ ہوتا، مثلاً حقِ شفعہ، حقِ ولاء، حقِ وراثت، حقِ نسب، حقِ قصاص، طلاق، حضانت اور ولایت کا حق وغیرہ۔ ان حقوق کی دو قسمیں ہیں:

اول: "وہ حقوق جو اصالۃً ثابت نہیں ہوئے ہیں بلکہ اصحابِ حقوق سے ضرر دور کرنے کے لیے ان کی مشروعیت ہوئی ہے، انہیں حقوقِ ضروریہ کہا جاتا ہے۔
دوم: وہ حقوق جو اصحابِ حقوق کے لیے اصالۃً ثابت ہوئے ہیں، دفع ضرر کے لیے مشروع نہیں ہوئے۔ انہیں حقوقِ اصلیہ کہا جاتا ہے"۔(۱)

حقوقِ ضروریہ (حقِ شفعہ، حضانت، یتیم کی ولایت اور مخیّرہ بیوی کا حق) کا حکم یہ ہے کہ کسی بھی طریقے سے ان کا عوض لینا جائز نہیں، نہ تو فروختگی کے ذریعے اور نہ ہی صلح و دستبرداری کے ذریعے، جبکہ حقوقِ اصلیہ (حقِ قصاص، نکاح کو باقی رکھ کر بیوی سے متمتع ہونے کا حق اور حقِ میراث وغیرہ) میں بطورِ بیع عوض لینا جائز نہیں، البتہ صلح اور دستبرداری کے ذریعے ان حقوق کا معاوضہ لیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ مفتی تقی عثمانی صاحب رقمطراز ہیں:

> "وهی الحقوق التی ثبتت من الشارع، ولا مدخل فیها للقیاس ولا تنتقل ممن ثبت له الی غیره مثل حق الشفعة، وحق الولاء، وحق النسب، وحق القصاص، وخیار المخیره، وحق الطلاق، وما الی ذلک، فجملة الكلام فی مثل هذه الحقوق أنه لا یجری فیها البیع ولا الانتقال من رجل الی آخر بعوض أو بغیر عوض، ولكن تجری فی بعضها المصالحة علی مال فیجوز الصلح من دم العمد بمال، ویجوز التخارج فی المیراث، ویجوز الطلاق علی مال۔ ولكن لا یجوز لأحد أن یبیع حقه من غیره بمعنی أن ینقل حقه الی غیره بطریق البیع"۔ (۲)
>
> "یہ وہ حقوق ہیں جو شارع کی طرف سے ثابت ہیں، اس میں قیاس کو کوئی دخل نہیں اور نہ ہی یہ حقوق جس کے لیے ثابت ہوتے ہیں اس سے کسی اور کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔ جیسے حقِ شفعہ، حقِ ولاء، حقِ نسب، مخیّرہ عورت کا اختیار اور طلاق کا حق، اس کے علاوہ اور بھی حقوق ہیں جو منتقل نہیں ہوتے۔ اس قسم کے حقوق میں حکم یہ ہے کہ ان کے اندر بیع جاری نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ ایک آدمی سے دوسرے آدمی کی طرف کسی عوض یا کسی عوض کے بغیر منتقل ہوتے ہیں اور لیکن بعض حقوق میں مال لے کر صلح ہو سکتی ہے۔ پس قتلِ عمد میں مال کے بدلے صلح جائز ہو گی اور ایسے ہی میراث میں تخارج اور مال لے کر طلاق دینا جائز ہے اور لیکن کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنا حق کسی اور کو بیچ دے، اس اعتبار سے کہ اس کا حق بطریقِ بیع کسی دوسرے کی طرف منتقل ہو جائے"۔

۲۔مال وصول کرنے کے حقوق کی بیع کا مسئلہ

یہ وہ حقوق ہیں جو اس کے مالک کے لیے، کچھ معاملات کے ذریعے جن کو وہ خود کرے یا کوئی اور کرے، ثابت ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص نے کسی چیز کو بیچا، اس کے لیے قیمت کی وصولی کا حق ثابت ہو گیا یا کسی نے قرض دیا، اس کے لیے قرض کی وصولی کا حق ثابت ہو گیا یا حکومت نے کسی بندے کے لیے انعام کا اعلان کیا تو اس کے لیے اس کی وصولی کا حق ثابت ہو گیا۔ اس قسم کے حقوق کو بیچنا حقیقت میں حقوق کی بیع نہیں ہے، یہ اس مال کی بیع ہے جس کے ساتھ اس حق کا تعلق ہے۔ احناف کے نزدیک حقوق کی اس قسم کی بیع بھی جائز نہیں۔ جیسا کہ مفتی تقی عثمانی صاحب رقمطراز ہیں:

''وانه لا يجوز عند الحنفية رحمهم الله تعالى لكونه بيع الدين من غيره من عليه الدين، أو لكونه بيع ما ليس عند الانسان، ويدخل فى هذا القسم بيع العطايا والأرزاق والبرا آت وبيع حظوظ الأئمة، وبيع الجامكية''۔ (۳)

''احناف رحمہم اللہ کے نزدیک یہ (مال وصول کرنے کے حقوق کی بیع) بھی جائز نہیں ہے، اس لیے کہ یہ اس دوسرے کو قرض کا بیچنا ہے جس کے ذمے قرض نہیں ہے، یا اس وجہ سے کہ یہ اس چیز کا بیچنا ہے جو انسان کے پاس نہیں، اسی قسم کے اندر عطایا، ارزاق، پروانوں، ائمہ کی تنخواہوں اور جامکیہ (حکومتی وعدہ کی پرچیوں) کی بیع ہے''۔

کمبیالۃ/ہنڈی Bills of Exchange کا حکم

حقوق کی اسی قسم کے تحت ہنڈی کا بھی شمار ہوتا ہے۔ عصرِ حاضر میں ہنڈی کی آمدن بینکوں کی آمدنی کا ایک بڑا حصہ ہے۔

ہنڈی کیا ہے؟

بائع (بیچنے والا) اپنے سامان کو ثمنِ مؤخر کے ساتھ بیچتا ہے۔ مشتری اس کے لیے ایک دستاویز لکھتا ہے کہ وہ فلاں مہینے کے فلاں دن کو اس کی قیمت ادا کر دے گا۔ اس دستاویز کو ہنڈی کہا جاتا ہے اور قیمت کی ادائیگی کے دن کی تاریخ کو ''نضج الکمبیالۃ'' کہا جاتا ہے۔ بیچنے والا اس دستاویز کو لیتا ہے اور اسے لے کر بینک جاتا ہے، پس بینک اس سے اس پر رقم (لکھی ہوئی) قیمت سے کم پر خرید لیتا ہے، اس قسم کی تجارت کو ہنڈی کہا جاتا ہے۔ پھر یہ بینک اکثر اس ہنڈی کو کسی دوسرے آدمی یا بینک کو بیچتے ہیں۔ تو وہ اس کی وصولی کی مدت کے قریب ہونے کی وجہ سے اس میں اس سے زیادہ کٹوتی کرتے ہیں، جتنی پہلے بینک نے کی۔ اسی طرح بعض اوقات ایک ہنڈی پر اس کے وصول ہونے سے پہلے کئی بیوع ہو جاتی ہیں۔ جتنی اس کی وصولی کی تاریخ دور ہوتی ہے، کٹوتی کے نرخ زیادہ ہوتے ہیں اور جتنی وصولی کی تاریخ قریب ہوتی ہے، کٹوتی کے نرخ کم ہوتے ہیں۔ مثلاً زید سو روپے کی ہنڈی لے کر بینک گیا، اس کی وصولی تین مہینے دور کی تاریخ تھی۔ بینک اس میں سے پانچ روپے کاٹے گا، وہ زید کو پچانوے (۹۵) روپے دے دے گا، اس کے بعد بینک ایک ماہ کے بعد اسے کہیں اور بیچے گا، وہ اس میں سے چار روپے کاٹے گا اور اسے چھیانوے (۹۶) روپے دے گا، کیونکہ وصولی کی مدت قریب ہے۔ اسی طرح کٹوتی کے نرخ میں وصولی کی مدت کے قریب اور دور ہونے کے اعتبار سے فرق پڑتا جائے گا۔ مفتی تقی عثمانی صاحب کے ہاں ایسا معاملہ ناجائز ہے جیسا کہ وہ بیان کرتے ہیں:

''وهذه المعاملة غير جائزة، لكونها بيع الدين من غير من عليه الدين، أو لكونها مبادلة النقود بالنقود متفاضلة و مؤجلة، وحرمته منصوصة فى أحاديث ربا الفضل''۔ (۴)

''یہ معاملہ (ہنڈی) جائز نہیں ہے، اس لیے کہ یہ اس شخص کو قرضے کا بیچنا ہے جس پر قرضہ نہیں ہے، یا اس لیے کہ یہ پیسوں کا پیسوں کے بدلے بڑھا چڑھا کر یا مؤخر کر کے تبادلہ ہے اور اس کی حرمت واضح طور پر ربا الفضل والی احادیث میں آئی ہے''۔

ہنڈی عصرِ حاضر میں چونکہ بینکوں کی آمدن کا ایک بڑا ذریعہ ہے، اس لیے مفتی تقی عثمانی صاحب نے ہنڈی کے طریقے کو جائز بنانے کی مختلف تجاویز یوں پیش کیں:

"ولكن هذه المعاملة يمكن تصحيحها بتغيير طريقها، وذلك أن يوكل التاجر البنك باستيفاء دينه من المشترى و يدفع اليه أجرة على ذلك، ثم يستقرض منه مبلغ الكمبيالة، ويأذن له أن يستوفى هذا القرض مما يقبض من المشترى بعد نضج الكمبيالة۔ فتكون هناک معاملتان مستقلتان: الأولى معاملة التوكيل باستيفاء الدين بالأجرة المعينة، والثانية: معاملة الاستقراض من البنک والاذن باستيفاء القرض من الدين المرجو وصوله بعد نضج الكمبيالة، ولا يجوز أن تكون احدى المعاملتين شرطاً للأخرى لئلا تكون صفقة فى صفقة، فتصح كلتا المعاملتين على أسس شرعية، أما الأولى فلكونها توكيلا بالأجرة، وذلک جائز، وأما الثانية فلكونها استقراضا من غير شرط زيادة، وهو جائز أيضا--- ولما كان قطع الكمبيالات من أهم وظائف البنوک، ومعظم التجارات اليوم تجرى على هذا الأساس، فلو قدر الله تعالى أن تطهر البنوک من الربا وتجرى على أسس الشركة أو المضاربة، فيمكن أن تعامل بالكمبيالات حسب ما ذكرنا"۔ (۵)

"لیکن اس معاملہ کو اس کے طریقے کے تبدیل کر لینے کے ساتھ درست کرنا بھی ممکن ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ تاجر (جس کے پاس ہنڈی ہے) مشتری سے قرض وصول کرنے میں بینک کو اپنا وکیل بنادے (بینک اس سے قرض وصول کرے) اور وہ تاجر اس پر ان بینک والوں کو اجرت دے دے۔ پھر وہ (تاجر) ہنڈی کی مقدار کے برابر بینک والوں سے قرض لے لے اور انہیں اجازت دے دے کہ وہ یہ قرض اس مال میں سے وصول کر لیں جو وہ مشتری سے اس ہنڈی کی تاریخ آجانے کے بعد لیں گے۔ پس یہاں یہ دو الگ الگ معاملات ہو جائیں گے۔ اول: قرض کی وصولی کے لیے اجرتِ معینہ کے ساتھ وکیل بنانے کا معاملہ، دوم: بینک سے قرض لینے کا معاملہ اور اس قرض سے قرض کے وصول کرنے کی اجازت، جس کے ہنڈی پر لکھی جانے والی تاریخ کے دن ملنے کی امید ہے اور یہ جائز نہیں کہ دونوں معاملات میں سے ایک معاملہ دوسرے کے لیے شرط ہو، تاکہ ایک معاملہ دوسرے معاملے میں داخل نہ ہو جائے۔ اس صورت میں دونوں معاملے شرعی بنیادوں پر صحیح ہو جائیں گے۔ جہاں تک پہلے معاملے کا تعلق ہے تو یہ اس لیے جائز ہے کہ یہ اجرت کے ساتھ وکیل بنانا ہے اور جہاں تک دوسرا معاملہ ہے تو یہ زیادتی کی شرط کے بغیر قرض لینے کا معاملہ ہے اور یہ بھی جائز ہے۔۔۔ اور جبکہ ہنڈی کی آمدن بینکوں کی آمدنی کا بڑا حصہ ہے اور اس زمانہ میں بڑی بڑی تجارتیں اس پر چل رہی ہیں، پس اگر اللہ تعالیٰ انتظام فرمادیں کہ بینک سود سے پاک ہو جائیں اور وہ شرکت یا مضاربت کے اصولوں پر چلنے لگیں، تو ان ہنڈی کے چیکوں پر جس طرح ہم نے ذکر کیا، عمل کرنا ممکن ہے"۔

۳۔ الحقوق التی ھی منافع بنفسھا (وہ حقوق جو اپنی ذات میں منافع ہیں)

حقوق کی تیسری قسم ان حقوق کی ہے جو بذات خود منافع ہیں۔ جیسے حقِ مرور (راستے پر گزرنے کا حق)، حقِ مسیل (پانی بہانے کا حق) اور حقِ تعلی (اوپر کا حق) وغیرہ۔ فقہائے احناف حقِ مسیل اور حقِ تعلی کی بیع کے عدمِ جواز کے قائل ہیں۔ جیساکہ صاحبِ تکملہ بیان کرتے ہیں:

"فأما حق المسيل و حق التعلى فلم أرمن فقهاء الحنيفةمن جوز بيعهما"۔ (۲)

''جہاں تک حقِ مسیل اور حقِ تعلی کا تعلق ہے تو میں نے فقہائے احناف میں سے کوئی نہیں دیکھا، جس نے ان کی بیع کو جائز قرار دیا ہو''۔

حقِ مرور کی بیع کے سلسلہ میں فقہائے احناف کے ہاں دو روایات ہیں: پہلی روایت زیادات کی ہے جس میں اس بیع کو ناجائز کیا گیا ہے اور دوسری روایت کتاب القسمۃ کی ہے جس میں حقِ مرور کی بیع جائز قرار دی گئی ہے۔ (۷) بعد ازاں مفتی تقی عثمانی صاحب نے حقِ تعلی اور حقِ مرور اور حقِ مسیل اور حقِ مرور کے مابین فرق کی مختلف توجیہات صاحبِ ہدایہ کے حوالے سے یوں نقل کیں:

''وجه الفرق بين حق التعلى وحق المرور على رواية الجواز أن حق التعلى يتعلق بعين لاتبقى وهو البناء، فأشبه المنافع، وأما حق المرور فانه يتعلق بعين تبقى، وهو الأرض، فأشبه الأعيان، وذكر وجه الفرق بين المرور وحق المسيل بأن المسيل ان كان على السطح فانه نظير حق التعلى، وان كان على الأرض فهو مجهول لجهالة محله، لاختلاف التسبيل بقلة الماء و كثرته''۔ (۸)

''جواز کی روایت کی بناء پر حقِ مرور اور حقِ تعلی میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ حقِ تعلی ایسی چیز سے متعلق ہے جو باقی رہنے والی نہیں یعنی عمارت، لہٰذا حقِ تعلی منافع کے مشابہ ہو گیا اور حقِ مرور باقی رہنے والی چیز یعنی زمین سے متعلق ہے لہٰذا حقِ مرور اعیان (وہ اشیا جن کا ذاتی وجود ہے) کے مشابہ ہو گیا اور ذکر کیا کہ حقِ مرور اور مسیل کے مابین فرق کی وجہ یہ ہے کہ اگر مسیل (پانی کے بہنے کی جگہ) سطح (پرنالہ سا بنا ہے) پر ہے تو وہ حقِ تعلی کے مثل ہے اور اگر وہ زمین پر ہے (کھلے عام پانی بہہ رہا ہے) تو وہ اپنے محل کے مجہول ہونے کی وجہ سے مجہول ہے، کیونکہ پانی کی قلّت و کثرت کے پیشِ نظر بہنے کے اندر اختلاف ہو گا''۔

۴۔ تحریری اجازت سے متعلق حقوق کی بیع

حقوق کی یہ نوع فائدے کا حق ہے، جس کو اجازت دینے والے نے صفحہ پر لکھ دیا ہے۔ پس یہ اجازت ہر اس شخص کے لیے ثابت ہے، جس کے پاس یہ اجازت نامہ ہو۔ جیسے ڈاک، ریل گاڑیوں، ہوائی جہازوں اور بڑی بڑی بسوں کے ٹکٹ، یہ ہر اس شخص کے لیے استعمال کرنے کی اجازت سے عبارت ہیں، جس کے پاس یہ ٹکٹ ہوں۔ اس قسم کے حقوق کی بیع کے حوالے سے تقی صاحب کی رائے یہ ہے کہ اگر تحریری اجازت کسی خاص بندے کے نام کے ساتھ مخصوص ہو تو پھر اس کی بیع ناجائز ہے اور اگر یہ اجازت کسی مخصوص بندے کے نام کے ساتھ خاص نہ ہو، تو پھر اس کو بیچنا جائز ہے۔

موصوف اس ضمن میں رقمطراز ہیں:

''أن الاجازة المكتوبة ان كانت مقتصرة على من أعطيها باسمه الخاص، فلا يجوز بيعها، كما فى تذكرة الطائرةفانها تكون مخصوصة بالاسم، فلا يجوز بيعها لكون الشركة انما رضيت بعقد الاجارة مع رجل مخصوص، فلا يجوز له أن ينقل هذا الحق الى غيره۔ وأما اذا كانت الاجازة غير مخصوصة باسم رجل، فينبغى أن يجوز بيع ورقة الاجازة، مثل طوابع البريد، فانها لاتكون لرجل مخصوص''۔ (۹)

''تحریری اجازت اگر کسی خاص بندے کے نام کے ساتھ مخصوص ہے تو اس کا بیچنا جائز نہیں، جیسا کہ ہوائی جہاز کے ٹکٹ، یہ نام کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں، پس ان کی بیع جائز نہیں، کیونکہ کمپنی ایک مخصوص آدمی کے ساتھ اجارہ کا عقد کرنے پر راضی ہوتی ہے، پس اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس حق کو کسی اور کی طرف منتقل کرے اور اگر یہ اجازت کسی خاص بندے کے نام کے ساتھ مخصوص نہیں، تو پھر مناسب ہے کہ اس اجازت والے کاغذ کو بیچنا جائز ہو، جیسے ڈاک کی ٹکٹیں، وہ کسی خاص بندے کے لیے نہیں ہیں''۔

موصوف اس قسم کے حقوق کی بیع کے جواز کے ضمن میں مزید بیان کرتے ہیں:

''وهی فی الحقیقة عبارة عن استیجار البرید لارسال الرسائل أو غیرها من الأشیاء، فلو اشتراها رجل من مکتب البرید ثم باعها الی آخر، فلا وجه للمنع فیه، وینبغی أن یجوز فیه الاسترباح أیضا، اما لأن الطوابع عین قائمة، واما لأنها حقوق فی ضمن الأعیان، ففارقت الحقوق المجردة، واما لأن الربح الذی یحصل لبائعه أجرة ما عمل فی الحصول علی الطوابع، فأشبهت أجرة السمسار''۔ (۱۰)

''حقیقت میں اس کا مطلب یہ ہے کہ خطوں اور دیگر اشیاء کو بھیجنے کے لیے ڈاک کو اجرت پر لینا، پس اگر کوئی بندہ ڈاکخانہ سے ٹکٹ خریدتا ہے اور پھر وہ دوسروں کو بیچتا ہے تو اس میں کوئی وجہ ممانعت نہیں اور مناسب ہے کہ اس میں منافع لینا بھی جائز ہو، اس وجہ سے کہ یا تو ٹکٹیں عین چیزیں ہیں، نظر آ رہی ہیں یا اس لیے کہ یہ اعیان سے متعلق حقوق ہیں۔ پس یہ حقوقِ مجردہ سے الگ و ممتاز ہو جائیں گے، یا اس وجہ سے کہ بیچنے سے حاصل کردہ منافع اس کی اجرت ہے جو اس نے ٹکٹوں کے حصول میں کام کیا، پس یہ دلال کی اجرت کے مشابہ ہو گیا''۔

باہر سے چیزیں منگوانے کے اجازت نامہ (Import Lisence) کی بیع کا مسئلہ

امپورٹ لائسنس کی بیع کا مسئلہ بھی حقوق کی اسی نوع کے تحت آتا ہے۔ یہ ایک کاغذ ہوتا ہے، حکومت اس کے ساتھ تاجروں کو بیرونِ ممالک سے سامان منگوانے کی اجازت دیتی ہے۔ عصرِ حاضر میں اکثر ممالک اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ حکومتی لائسنس کے بغیر سامان ایکسپورٹ یا امپورٹ کیا جائے، بظاہر یہ چیز تاجروں پر ایک طرح کی پابندی ہے، جسے اسلامی شریعت شدید ضرورت کے بغیر پسند نہیں کرتی، لیکن واقعتاً بہت سارے ملکوں اور شہروں میں ایسا ہو رہا ہے۔ لہٰذا موجودہ حالات میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس بندے کے پاس یہ لائسنس موجود ہے کیا اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس اجازت نامہ کو کسی اور کو بیچ دے اور کیا اسے نفع پر دینا بھی جائز ہے؟ بعض علمائے کرام نے اس سے منع کیا ہے، کیونکہ یہ حقِ مجرد کی بیع ہے اور حقِ مجرد مال نہیں ہے، پس اس کی بیع جائز نہیں۔ جبکہ تقی عثمانی صاحب کی رائے یہ ہے کہ اگر یہ رخصت کسی مخصوص آدمی کے لیے ہو تو پھر اس کی بیع ناجائز ہے، وگرنہ نہیں۔ جیسا کہ وہ رقمطراز ہیں:

''أن هذه الرخصة ان کانت باسم رجل مخصوص، حتی لا تسمح الحکومة لرجل آخر باستعمالها، فلا شبهة فی عدم جواز بیعها، لأن بیعه یؤدی حینئذ الی الکذب والخدیعة، فان مشتری الرخصة سیستعملها باسم البائع لا باسم نفسه، ولأن الاذن انما حصل لرجل مخصوص، فلا یحل له أن

ينقل ذلك الى غيره۔ وأما اذا كانت الرخصة لكل من يحملها، ولا تختص باسم دون اسم، فالذى يظهر أن حكمها حكم طوابع البريد، فيجوز بيعها والاسترباح عليها"۔ (۱۱)

''اگر یہ رخصت کسی مخصوص آدمی کے لیے ہو، حتی کہ حکومت کسی دوسرے آدمی کو اس کے استعمال کی اجازت نہ دے، تو پھر اس کی بیع کے عدمِ جواز میں کوئی شبہ نہیں، اس وقت اس کے بیچنے سے جھوٹ اور دھوکہ لازم آئے گا، اس لیے کہ اس اجازت کو خریدنے والا بیچنے والے ہی کے نام سے استعمال کرے گا، کیونکہ اجازت تو مخصوص آدمی کو حاصل ہے، پس اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ اسے کسی اور کی طرف منتقل کرے اور اگر رخصت ہر اس آدمی کے لیے ہو، جس کے پاس وہ لائسنس موجود ہو اور کسی نام کے ساتھ خاص نہ ہو، پس ظاہر یہی ہے کہ اس کا حکم ڈاک کی ٹکٹوں کی طرح ہے، اس کو بیچنا جائز ہے اور اس پر نفع لینا بھی جائز ہے''۔

عصرِ حاضر میں ہمارے ہاں چونکہ متعارف بات یہی ہے کہ یہ اجازت کسی نام کے ساتھ خاص ہوتی ہے اور بظاہر اس کی بیع کا حکم عدمِ جواز کا ہے۔ چنانچہ تقی صاحب نے اس طریقے کے جواز کے لیے درج ذیل تجاویز ذکر کی ہیں:

''ويمكن الطريق المشروع فيه أن يجعل حامل الرخصة من يريد شراء ها وكيلا له فى استعمالها، فاذا وردت البضاعة باعها منه بربح، أو يجعل من يريد شراء ها حامل الرخصة وكيلا له فى الايراد، فيورد البضاعات باسمه، ويكون العقد فى الحقيقة للموكل، فاذا وردت البضاعات أدى حامل الرخصة أجرة الوكالة"۔ (۱۲)

''لیکن اس میں جائز طریقہ ممکن ہے اور وہ یہ ہے کہ اس رخصت کا حامل اس بندے کو اپنا وکیل بنادے جو اس رخصت نامہ کو خریدنا چاہتا ہو، پس جب وہ سامان باہر سے آئے، اس سے نفع لے کر اسے بیچ دے، یا حاملِ رخصت اس بندے کو مال منگوانے میں وکیل بنادے، جو اس (رخصت نامہ) کو خریدنے کا ارادہ کرتا ہو، وہ اس کے نام پر سامان منگوائے اور سارا معاملہ حقیقت میں موکل کا (وکیل بنانے والے کا) ہو، پس جب سارے سامان آجائیں تو حاملِ رخصت اسے وکالت کی اجرت دے دے''۔

عصرِ حاضر میں رائج بیوعات

بدوالصلاح سے قبل (قابلیت کے ظاہر ہونے سے پہلے) پھلوں کی بیع اجماعی طور پر باطل ہے کیونکہ یہ معدوم شے کی بیع ہے۔ بدوالصلاح کے بعد پھلوں کی بیع کے متعدد قوانین اور ان کے مختلف احکام ہیں۔ تقی صاحب نے ان احکامات پر سیر حاصل بحث کرنے کے بعد عصرِ حاضر میں رائج بیوعات اور ان کے احکامات ذکر کیے ہیں۔ جن کا تذکرہ افادہ سے خالی نہ ہوگا۔ آج کل اکثر شہروں میں عادت ہے کہ پھلوں کو کاٹ کر نہیں، بلکہ درختوں پر لٹکے ہوئے ہی بیچ دیا جاتا ہے اور اکثر لوگ پھلوں کی قابلیت اور بعض جگہوں میں پھلوں کے ظاہر ہونے سے بھی قبل خرید لیتے ہیں اور یہ بھی رواج ہے کہ مشتری عقد کے بعد پھلوں کو درختوں پر کٹائی کے وقت تک چھوڑ دیتا ہے۔ ان تمام بیوعات کے فساد کا حکم لگانے سے بازار میں کوئی پھل اور سبزی ایسی نہیں ملے گی جس کا کھانا حلال ہو۔ مولانا تقی عثمانی صاحب نے مروجہ بیوعات کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ ذاتی طور پر پھلوں کا بیچنا۔

۲۔ پھلوں کا درختوں پر چھوڑنے کی شرط کے ساتھ بیچنا۔ (۱۳)
اور پھر ہر قسم کی مختلف صورتیں بیان کرتے ہوئے ہر صورت کے جواز و عدمِ جواز کے بارے میں تفصیلات بیان کی ہیں۔

ذاتی طور پر پھلوں کی بیع

ذاتی طور پر پھلوں کی بیع کی مختلف صورتیں ہیں:

۱۔ پھلوں کو ان کے ظاہر ہونے سے قبل بیچا جائے، یہ صورت ناجائز ہے۔ جیسا کہ مفتی تقی عثمانی صاحب نے بیان کیا ہے:

"وهذا لم يقل بجوازه أحد، سواء جرى به التعامل أولا"۔ (۱۴)

"اس بیع کے جواز کا کوئی قائل نہیں، خواہ لوگ اس پر عمل کرتے ہوں یا عمل نہ کرتے ہوں"۔

۲۔ پھلوں کی بیع کی دوسری صورت یہ ہے کہ درخت یا باغ کے سارے پھلوں کو ایسے وقت میں بیچا جائے کہ ان میں سے بعض پھل ظاہر ہوئے ہوں اور بعض ظاہر نہ ہوئے ہوں۔ بیع کی اس قسم میں شیوخِ احناف میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ظاہر مذہب یہ ہے کہ بیع کی یہ صورت جائز نہیں، ہاں مگر عمومِ بلوی کے وقت اس میں گنجائش موجود ہے۔ جیسا کہ مصنف موصوف نے اس مسئلہ میں حنفی ائمہ کی آراء نقل کرنے کے بعد بیان کیا:

"أن هذه الصورة وان كانت غير جائزة في أصل المذهب، غير أن فيها سعة عند عموم البلوى"۔ (۱۵)

"یہ صورت اگرچہ حنفی مذہب میں جائز نہیں، لیکن اس میں عمومِ بلوی کے وقت وسعت ہو سکتی ہے"۔

۳۔ پھلوں کی بیع کی تیسری صورت یہ ہے کہ پھل ظاہر تو ہو گئے ہوں لیکن قابلِ انتفاع نہ ہوں۔ نا قابلِ انتفاع ہونے کے معانی یہ ہیں کہ کسی انسان اور جانور کے کام نہ آسکتے ہوں۔ اس قسم کے بارے میں بھی ائمہ احناف کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ قاضی خاں کے بقول عام مشائخ کے نزدیک پھلوں کی اس قسم کی بیع جائز نہیں، جبکہ ابن الہمام نے اس کے جواز کو درست قرار دیا ہے۔ (۱۶)

۴۔ پھلوں کی بیع کی چوتھی صورت یہ ہے کہ پھل انسانوں یا جانوروں کے لیے قابلِ انتفاع ہوں۔ پھلوں کی اس قسم کی بیع جائز ہے۔ جیسا کہ مصنف موصوف بیان کرتے ہیں:

"فبيعها جائز باجماع الفقهاء"۔ (۱۷)

"پس ان کی بیع فقہاء کے اجماع کے مطابق جائز ہے"۔

پھلوں کو درختوں پر چھوڑنے کی شرط کے ساتھ بیچنا

پھلوں کو درختوں پر چھوڑنے کی شرط کے ساتھ بیچنے کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ پھلوں کو ان کا سائز پورا ہونے اور کچھ قابلیت ظاہر ہونے کے بعد بیچا جائے، ایسی صورت میں درختوں پر چھوڑنا جائز ہو گا۔ جیسا کہ مفتی تقی عثمانی صاحب رقمطراز ہیں:

''أن تباع الثمار بعد ما تناهى عظمها وبدا صلاحها، فشرط الترک فی هذه الصورة جائزة عند محمد رحمه الله تعالى، وبه أفتى كثير من المشايخ لعموم البلوى''۔ (۱۸)

''پھلوں کو ان کا سائز مکمل ہونے اور کچھ قابلیت ظاہر ہونے کے بعد بیچا جائے، پس ایسی صورت میں درختوں پر چھوڑنا امام محمد کے نزدیک جائز ہے اور بہت سارے مشائخ نے عموم بلوی کی وجہ سے اسی کے مطابق فتوی دیا ہے''۔

امام طحاوی نے بھی اسی فتوی کو اختیار کیا ہے (۱۹) اور اسی کی طرف ابن الہمام اور ابن عابدین مائل ہوئے ہیں''۔ (۲۰)

۲۔ پھلوں کو درختوں پر چھوڑنے کی شرط کے ساتھ بیع کی دوسری صورت یہ ہے کہ پھلوں کو بدوالصلاح یا ان کے سائز پورا ہونے سے پہلے بیچا جائے۔اس صورت کے احکامات مولانا تقی عثمانی صاحب نے یوں بیان کیے ہیں:

''فشرط الترک فی هذه الصورة مفسدة بالاجماع، ولكن اذا لم يشترط الترک فی العقد، بل كان العقد مطلقا، ثم أذن البائع بالترک طاب للمشتري المبيع وما زاد بعده عند الحنفية، وان تركها بغير اذن البائع جاز البيع وتصدق بما زاد بعد العقد''۔ (۲۱)

''اس صورت میں پھل کو درختوں پر چھوڑنے کی شرط اجماعی طور پر مفسد ہوگی اور اگر عقد میں درختوں پر چھوڑنے کی شرط نہیں لگائی بلکہ عقد مطلق تھا، پھر بائع نے مشتری کو پھلوں کے درختوں پر چھوڑنے کی اجازت دے دی (کہ پکنے تک اوپر رہنے دو) تو خریدنے والے کے لیے مبیع حلال ہے اور اس کے بعد اس میں جو اضافہ ہوا وہ احناف کے نزدیک جائز (حلال) ہے اور اگر وہ بائع کی اجازت کے بغیر پھلوں کو درختوں پر چھوڑ دیتا ہے تو بیع جائز ہوگی اور عقد کے بعد پھلوں میں جتنا اضافہ ہوا۔ خریدار اتنی قیمت صدقہ کردے گا''۔

رائج الوقت کرنسی نوٹ اور ان کے احکام

بہت سے مالی کاغذات (مال کی رسیدیں) جن کے ساتھ آج کل لوگ معاملہ کر رہے ہیں، ان کے ساتھ معاملہ کرنے کا حکم حوالہ (۲۲) کا حکم ہے۔ جیسے بینکوں کے چیک، بانڈ، ہنڈی اور دوسری رسیدیں، یہ قرض کی رسیدیں ہوتی ہیں جو اس کے جاری (ایشو) کرنے والے کے ذمے قائم ہوتی ہیں۔ان کو جاری کرنے والا مدیون اور پہلی دفعہ لینے والا دائن ہے۔ پھر اس دائن کا کبھی دوسرے آدمی پر قرض ہوتا ہے، یہی کاغذات دائن اس کو دے دیتا ہے تو گویا وہ اپنے قرض کو اس کے حوالے کرنے والا ہو جاتا ہے، جس نے اسے جاری کیا ہوتا ہے اور یہ دوسرا دائن محتال کہلاتا ہے۔ یہ کاغذات (اوراق) تین قسم کے ہیں:

۱۔ بانڈز (البون)

۲۔ بینکوں کے چیک (الشیک المصرفی)

۳۔ کرنسی نوٹ (اوراق العملة)

مفتی تقی عثمانی صاحب نے عصرِ حاضر کے تناظر میں ان اوراق کی شرعی حیثیت بیان کی ہے۔

بانڈز کی شرعی حیثیت

بعض اوقات حکومت یا کمپنیاں لوگوں سے قرضہ لیتی ہیں اور اس قرض کے عوض ایک رسید جاری کر دی جاتی ہے، جس کو بانڈ کہتے ہیں۔ اس بانڈ کی ایک مدت ہوتی ہے مثلاً چھ ماہ بعد جو بھی اس بانڈ کو لے کر آئے گا، حکومت اس کو اس بانڈ کی رقم دینے کی پابند ہے۔ اب اگر ایک شخص کے پاس ایک ہزار روپے کا بانڈ ہے اور وہ بازار میں جا کر کہتا ہے کہ مجھ سے یہ بانڈ لے لو اور اس کے پیسے مجھے ابھی دے دو، یہ حوالہ کی ایک صورت ہے اور صحیح ہے، اس لیے کہ اس کے جاری کرنے والے نے اس پر لکھ دیا ہے کہ میں اتنی معلوم مقدار کے ساتھ ہر اس بندے کا مقروض ہوں جو اس کا حامل ہو (اس کو اٹھانے والا ہو)۔ جب بھی اس کا حامل اس کو کسی دوسرے بندے کو دے دے گا، اس نے اپنا قرض اس کے حوالے کر دیا۔ اس میں محیل (اصل مدیون) اور محتال (دائن ثانی) کی رضامندی واضح طور پر اور محتال علیہ (جس کی طرف قرض منتقل کیا گیا ہے) کی رضامندی معنوی طور پر پائی جاتی ہے۔

مفتی تقی عثمانی صاحب نے ان بانڈز کو قرض کی رسیدیں قرار دیتے ہوئے ان کی شرعی حیثیت یوں واضح کی:

''واذا قد صحت الحوالة بهذه الأوراق المالية، فانها سندات ديون، ولا تقوم مقام الأثمان، فلا يجوز اشتراء الذهب أو الفضة بها، لأن تقابض البدلين شرط لصحة الصرف، والقبض على هذه الأوراق ليس قبضا للثمن، وانما هو احتيال للدين، فصار أحد البدلين فى الصرف نقدا، والآخرة دينا، وذلک لا يجوز۔ وکذلک لو أداها رجل فى الزكاة لا يتأدى بها الزكاة حتى ينقدها الفقير، أو يشترى بها مالا، لأن أداء هذه الأوراق احالة للدين، وليس تمليكاللعين''۔ (۲۳)

''جب ان مالی رسیدوں کے ساتھ حوالہ درست ہو گیا، تو یہ قرض کی رسیدیں ہیں۔ یہ ثمن کے قائم مقام نہیں، ان کے ساتھ سونا چاندی خریدنا جائز نہیں، اس لیے کہ بدلین پر قبضہ کرنا بیع صرف کے صحیح ہونے کے لیے شرط ہے اور ان مالی رسیدوں پر قبضہ کرنا ثمن پر قبضہ نہیں اور یہ تو صرف قرض کو حوالہ کرنا ہے، پس بدلین میں سے ایک نقد اور دوسرا قرض ہوا اور یہ جائز نہیں اور اسی طرح اگر کوئی بندہ اسے (بانڈ کو) زکوۃ میں دے دے تو زکوۃ اس وقت تک ادا نہ ہو گی جب تک فقیر اس کے پیسے نہ لے لے یا فقیر اس کے بدلے مال نہ خرید لے، اس لیے کہ ان رسیدوں کا ادا کرنا قرض کو حوالے کرنا ہے اور یہ عین کا مالک نہیں بنانا''۔

گویا بانڈز کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ ان پر قرض اور حوالہ کے احکام جاری ہوتے ہیں اور انہیں مال اور نقد نہیں سمجھا جائے گا۔

بینکوں کے چیکوں کی شرعی حیثیت

بینکوں کے چیک بھی قرض کی رسیدیں ہیں۔ یہ بذاتِ خود ثمن نہیں اور نہ ہی ان کے ساتھ ادائیگی زکوۃ جائز ہے۔ رسیدوں کی اس قسم پر بھی حوالہ کے احکام جاری ہوتے ہیں، البتہ اگر دائن بینک کے چیک پر دستخط نہ کرے اور اس پر مطلوبہ مقدار نہ لکھے تو حوالہ درست نہ ہو گا۔ ان چیکوں کے احکامات کے حوالے سے مفتی تقی عثمانی صاحب بیان کرتے ہیں:

''فالصحيح: أن الشيک المصرفى سند يدل على أن الذى وقع عليه قد وكل حامله لقبض دينه من البنک و مقاصة دينه منه، فليس ذلک من الأثمان فى شىء، فلا يعتبر القبض عليه قبضا على مبلغه، حتى ينقده البنک، ولا يتأدى بأداۂ الزكاة حتى ينقده الفقير، ولا يجوز اشتراء الذهب والفضة

به، لفقدان التقابض في المجلس، ويجوز لموقعه أن يعزل حامله عن الوكالة، قبل أن يبلغ به الى البنک"۔ (۲۴)

''پس صحیح یہ ہے کہ بینک کا چیک ایک رسید ہے، یہ دلالت کرتی ہے کہ اس چیک پر دستخط کرنے والے نے اس چیک کے حامل کو بینک سے اپنا قرض اٹھانے اور اس کے ساتھ قرض کے تبادلے کا وکیل بنا دیا ہے۔ یہ چیک گویا خود ثمن نہیں ہو گا، اس پر قبضہ کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ پیسوں پر قبضہ کر لیا، حتیٰ کہ بینک اسے دے دے اور نہ ہی اس کے ساتھ زکوۃ ادا ہو گی حتیٰ کہ فقیر اس کو کیش کروالے اور مجلس میں قبضہ کے فقدان کی وجہ سے اس کے ساتھ سونا اور چاندی خریدنا جائز نہیں اور دستخط کرنے والے کے لیے جائز ہے کہ وہ اس چیک کے حامل کو اس کے بینک لے جانے سے پہلے وکالت سے معزول کر دے''۔

نوٹوں کی حیثیت اور ان کے شرعی احکام

نوٹوں کی شرعی حیثیت پر بحث کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کا آغاز وارتقاء بیان کیا جائے۔ ابتداً لوگوں میں سامان کے بدلے سامان کی بیع کا طریقہ رائج تھا۔ جس کو ''مقایضۃ **(Barter)** '' کہتے ہیں۔ ''مقایضۃ'' کے بعد بعض اہم چیزوں مثلاً گندم، جو اور چمڑا وغیرہ کو ہی ثمن قرار دے دیا گیا۔ اس کے بعد سونے اور چاندی کو ثمن مقرر کیا گیا، اس لیے کہ یہ عالمی طور پر قابلِ قبول تھے اور ان کی نقل وحمل بھی آسان تھی۔ ابتداً سونے کے ذریعے مبادلات سکہ ڈھالے بغیر ان کے وزن پر ہوتے تھے، اس کے بعد سکے ڈھالنے کا آغاز ہوا، بعد ازاں چاندی کے سکے بھی ڈھالے جانے لگے۔ شروع میں ہر شخص کو سکہ ڈھالنے کی اجازت ہوتی تھی۔ اس کے بعد ایک ایسا دور آیا کہ لوگ سونے اور چاندی کے سکے صرافوں کے پاس امانت رکھوا دیتے تھے اور صراف اس کے وثیقے کے طور پر رسید لکھ دیتے تھے، بوقت ضرورت رسید دکھا کر صراف سے اپنا سونا واپس لیا جاتا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ لوگوں نے صرافوں کی دی ہوئی رسیدوں سے اشیاء خریدنی شروع کر دیں، یعنی بجائے اس کے، کہ مشتری پہلے صراف سے سونا لے کر بائع کو دے اور بائع سونا لے کر پھر صراف کے پاس رکھوائے، خریدار بائع کو سونے کی رسید دے دیتا، جس کا مطلب یہ ہوتا کہ اس رسید کا سونا بائع کی طرف منتقل ہو گیا ہے۔ اس طرح رسیدوں سے لین دین شروع ہو گیا اور صرافوں سے سونا واپس لینے کی نوبت کم آنے لگی۔ جب صرافوں نے دیکھا کہ لوگ عموماً سونا واپس لینے نہیں آتے تو انھوں نے لوگوں کا رکھا ہوا سونا دوسروں کو قرض دینا شروع کر دیا۔ اس طرح نوٹ کا آغاز ہوا یعنی صرافوں کی جاری کی ہوئی رسیدیں نوٹ بن گئیں۔ ابتداً ہر شخص نوٹ جاری کر سکتا تھا، مگر اس وقت یہ زر قانونی **(Legal Tender)** نہیں تھے، صرف لوگوں کے تعامل کی وجہ سے قابلِ قبول تھے۔ اس مقبولیت اور سہولت کے پیشِ نظر بعد میں نوٹ کو زر قانونی قرار دیا گیا، لیکن زر قانونی کی حیثیت رکھنے والے نوٹ ہر شخص کو جاری کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ حکومت کے منظور شدہ ادارے (بینک) ہی جاری کر سکتے تھے۔ شروع میں عام تجارتی بینک نوٹ جاری کرتے تھے، بعد میں یہ اختیار صرف مرکزی بینک کی حد تک محدود کر دیا گیا۔ اب ''نوٹ'' ایک اصطلاحی ثمن ہے جو قوتِ خرید کی نمائندگی کرتا ہے۔ (۲۵)

نوٹوں کی فقہی حیثیت

نوٹوں کی فقہی حیثیت کے بارے میں ائمہ کرام کی آراء میں اختلاف ہے۔

نوٹ۔قرض کی رسیدیں یا ثمن عرفی

۱۔ اکثر علمائے کرام نوٹوں کو بانڈز اور ہنڈی کی طرح قرض کی رسیدیں سمجھتے ہیں، کیونکہ ان کے اوپر بھی واضح طور پر لکھا ہوتا ہے کہ طلب کے وقت حاملِ ہذا کوادا کرواور یہ دلالت کرتا ہے کہ یہ کاغذ بذات خود پیسے نہیں، بلکہ یہ رسیدیں ہیں جو ان کو جاری کرنے والوں کے ذمہ قائم ہیں۔ (۲۶) اسی وجہ سے علمائے ہند اور پاکستان کے بڑے علماء نے فتوی دیا ہے کہ یہ کرنسی نوٹ قیمت نہیں ہیں بلکہ قرض کی رسیدیں ہیں، ان سے سونا یا چاندی خریدنا جائز نہیں (کیونکہ نوٹ بھی سونے کی نمائندگی کرتے ہیں، لہٰذا یہ بیع صرف ہوئی اور جس نے نوٹ لیے ہیں اس نے ابھی سونے پر قبضہ نہیں کیا، لہٰذا تقابض فی المجلس نہ ہوا، جو بیع صرف کے جواز کی شرط ہے) اور ان سے (نوٹ دینے سے) زکوۃ ادا نہیں ہو گی۔ (۲۷)

۲۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ کرنسی نوٹ ثمنِ عرفی کے حکم میں ہیں۔ ان پر زکوۃ واجب ہو گی اور ان کے ساتھ زکوۃ کی ادائیگی اور سونے چاندی کا تبادلہ ہو جائے گا۔ علامہ احمد ساعاتی (۲۸) اور شیخ فتح محمد لکھنوی نے ان نوٹوں کو رائج عرفی ثمن کے حکم میں سمجھا ہے اور انہوں نے ان کے ساتھ ادائیگی زکوۃ اور سونا چاندی کے خریدنے کے جواز کا فتوی دیا ہے اور ان کے اس قول پر ان کے بیٹے فاضل مفتی سعید احمد لکھنوی نے بھی فتوی دیا ہے۔ (۲۹)

مفتی تقی عثمانی صاحب کے نزدیک بھی ان نوٹوں کی حیثیت ثمنِ عرفی کی سی ہے۔ ہاں البتہ ابتدا میں یہ نوٹ قرض کی رسیدیں تھے، جیسا کہ وہ بیان کرتے ہیں:

> ''لا شک أن الأوراق التی تسمی''نوت'' کانت فی بدایة أمرها سندات دین، وکان التعامل بها حوالة بلا ریب''۔ (۳۰)
>
> ''کوئی شک نہیں کہ اوراق جنہیں ''نوٹ'' کہا جاتا ہے ابتدا میں قرض کی رسیدیں تھیں، اس وقت ان کے ساتھ بلا شک حوالہ کا معاملہ ہوتا تھا''۔

مزید لکھتے ہیں:

> ''وبالجملة، صارت هذه الأوراق الیوم کالنقود، ویطلق علیها اسم النقد والعملة فی العربیة والأ نکلیزیة والأردیة، فی حین أن هذه الأسماء لا تطلق علی الشیکات المصرفیة، مع شیوع التعامل بها أیضا، ولا یوجد الیوم أحد یطمع فیماوراء ها من ذهب أو فضة، لا لأنه لا یحتاج الیهما بعد شیوع التعامل بهأ فحسب، بل لأن معظم الممالک الیوم تصدرها کالأ ثمان العرفیة، ولا یکون وراء ها شیئ من الذهب أو الفضة۔ فالذی أری أن القول بثمنیتها أصبح قویا، منذ أن جعلتها الحکومات أثمانا

قانونية، وجبرت الناس بقبولها عند اقتضاء ديونهم، ومنعت البنوك الشخصية من اصدارها، وجرت بها التعامل العام فيما بين الناس، دون فرق بينها و بين العمله المسكوكة"۔ (۳۱)

''الغرض یہ کاغذ آج پیسوں کی طرح ہو چکے ہیں اور عربی میں ان کو النقد اور العملۃ کہا جاتا ہے اور انگریزی اور اردو میں ان کے اپنے اپنے نام ہیں، اس وقت یہ نام بینک کے چیکوں پر نہیں بولے جاتے باوجود یہ کہ ان کا معاملہ بڑا عام ہے اور آج کوئی بندہ ایسا نہیں پایا جاتا، جو ان کے پیچھے سونے یا چاندی کا طمع کرے، نہ محض اس وجہ سے، کہ اسکو اس کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اسی (نوٹ) کے ساتھ معاملہ ہو رہا ہے بلکہ اس لیے بھی کہ بہت سارے ممالک اس کو ثمنِ عرفیہ کی طرح جاری کرتے ہیں اور اس کے پیچھے کوئی شے سونے چاندی سے نہیں ہوتی۔ اس لیے میں تو خیال کرتا ہوں کہ اس کی ثمنیت کا قول قوی ہو چکا ہے، جب سے حکومتوں نے اسے قانونی پیسہ بنا دیا ہے اور لوگوں کو اپنے قرضوں کی وصولی میں ان کے قبول کرنے پر مجبور کیا ہے اور پرائیویٹ بینکوں کو ان کے جاری کرنے سے روک دیا ہے اور ان کے ساتھ لوگوں کے درمیان عام معاملہ جاری ہو چکا ہے۔ ان نوٹوں اور ڈھلے ہوئے سکوں کے مابین کوئی فرق نہیں ہے''۔

مزید برآں مفتی تقی عثمانی صاحب نوٹوں کی ثمنیت کے عدمِ قائلین کو اپنے سابقہ فتاوی جات میں نظر ثانی کرنے کی تجویز پیش کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

"فينبغي للعلماء اليوم أن يعيدوا النظر في فتاويهم السابقة، ويتفكروا في ما أفتى به أمثال الشيخ الساعاتي، والشيخ اللكنوئ ونجله رحمهم الله تعالى نظرا الى تغير الأحوال، واشتداد الحاجة، ولأن التعامل بها قد شاع في سائر البلدان، بحيث لا توجد فيها العملة المسكوكة الا نزرا قليلا، فالحكم بعدم أداء الزكاة بأوراق العملة و بحرمة شراء الذهب والفضة بها، فيه حرج عظيم، والمعهود من الشريعة السمحة في مثله السعة والسهولة"۔(۳۲)

''پس آج کل علماء کے لیے مناسب ہے کہ وہ اپنے سابقہ فتاوی میں نظر کریں اور اس میں غور و فکر کریں جو شیخ الساعاتی، شیخ لکھنوی اور ان کے بیٹے رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے لوگوں نے فتوی دیا، کیونکہ حالات بدل چکے ہیں اور حاجت شدید ہو گئی ہے اور ان کا معاملہ تمام شہروں میں عام ہو چکا ہے کیونکہ ڈھلے ہوئے سکے نہیں پائے جاتے مگر بہت تھوڑے سے، لہٰذا ان کے ساتھ زکوۃ ادا نہ کرنے کے حکم اور سونے اور چاندی کو خریدنے کی حرمت کے حکم سے بڑا حرج آ جائے گا اور آسان شریعت کا مشہور قانون یہ ہے کہ اس قسم کے معاملات میں آسانی اور سہولت ہو''۔

نوٹوں کے باہمی تبادل کا حکم

نوٹوں کو قرض کی رسیدیں سمجھنے والے علمائے کرام کے ہاں نوٹوں کا باہمی تبادلہ جائز نہیں کیونکہ یہ تو قرض کی بیع قرض کے ساتھ ہے۔ لیکن نوٹوں کے ثمن عرفی ہونے کے قائلین کے ہاں ان نوٹوں پر مروجہ سکوں کے احکام جاری ہوں گے، یعنی جس طرح ہم جنس سکوں کا تفاضل کے ساتھ تبادلہ ناجائز اور مختلف اجناس کے سکوں میں باہمی تبادلہ تفاضل کے ساتھ جائز ہو گا، بعینہٖ کرنسی نوٹوں کا تفاضل کے ساتھ باہمی تبادلہ جائز نہیں لیکن مختلف اجناس میں ایسا تبادلہ جائز ہو گا۔ جیسا کہ مولانا تقی عثمانی صاحب نے صراحت کی:

"فلا يجوز مبادلة الأوراق النقدية بجنسها متفاضلة، ويجوز اذا كانت متماثلة، والمماثلة مهنا أيضا تكون بالقيمة، لا بالعدد كما في الفلوس، فيجوز أن يباع ورق نقدى قيمته عشر ربيات، بعشرة أوراق قيمة كل واحد منها ربية واحدة، ولا يجوز أن يباع الأول بأحد عشر ورقا من الثانية۔ وأما

العملة الأجنبية من الأوراق فهي جنس آخر، فيجوز مبادلتها بالتفاضل، فيجوز بيع ثلاث ربيات باكستانية بريال واحد سعودي"۔ (۳۳)

''کرنسی نوٹوں کا ان کی جنس کے ساتھ کم یا زیادہ تبادلہ جائز نہیں، ہاں اگر برابر برابر ہو تو جائز ہے اور یہاں بھی جو برابری ہو گی، قیمت کے اعتبار سے ہو گی، عدد کے اعتبار سے نہیں، جیسا کہ سکوں میں ہے، پس ایک نوٹ کو، جس کی قیمت دس روپے ہے، ان دس کاغذوں کے بدلے بیچنا جائز ہو گا، جن میں سے ہر ایک کی قیمت ایک روپیہ ہے اور یہ جائز نہیں کہ دس روپے کے ایک نوٹ کو ایک روپے والے گیارہ نوٹوں کے بدلے بیچا جائے، کاغذوں میں سے جو دوسری قسم کے نوٹ ہیں وہ دوسری جنس ہیں، ان کا تبادلہ تفاضل کے ساتھ جائز ہو گا۔ پس پاکستانی تین روپوں کو ایک سعودی ریال کے بدلے بیچنا جائز ہو گا''۔

اسی طرح صاحبِ تکملہ کے ہاں بینکوں اور حکومتی اداروں میں مختلف کرنسیوں کا مقررہ قیمت سے کم یا زیادہ کے ساتھ تبادلہ غیر ملکی سکوں کو دوسری جنس سمجھ لینے کی وجہ سے جائز ہو گا۔ کیونکہ اس قسم میں اضافہ شرعاً جائز ہے۔ (۳۴)

بیع میں شرط کا مسئلہ

یہ مسئلہ ہمارے زمانہ میں بڑی اہمیت کا حامل ہو گیا ہے۔ یہ بات پیشِ نظر رہے کہ یہاں شرط سے مراد وہ شرط ہے جو عقدِ بیع کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ایسی چیز بڑھا دی جائے، جو نفس عقد میں داخل نہیں تھی۔ اگر وہ چیز اپنی ذات میں حرام ہو یا اس کے موجود ہونے میں دھوکہ ہو تو اس کے عدمِ جواز میں کوئی اختلاف نہیں اور اگر وہ اپنی ذات میں حرام نہ ہو اور نہ ہی اس میں کوئی دھوکہ ہو تو اس ضمن میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ (۳۵) ابن حزم اور اہلِ ظاہر نے مطلقاً اس کی ممانعت کی اور کہا کہ یہ بیع کو فاسد کر دیتی ہے۔ ابن شبرمہ نے اس کی اجازت دی ہے اور انہوں نے بیع اور شرط دونوں کو جائز قرار دیا ہے، ابن ابی لیلیٰ نے بیع کو جائز قرار دیا ہے، شرط کو نہیں۔ (۳۶)

ائمہ اربعہ کے ہاں اس مسئلہ میں کافی تفاصیل پائی جاتی ہیں۔ احناف کے ہاں اگر شرط ایسی ہو کہ عقد اس کا تقاضا کرتا ہو یا عقد کے ساتھ مناسب ہو یا ایسی شرط ہو جس میں لوگوں کے مابین تعامل جاری ہو چکا ہو، تو وہ جائز ہے اور بیع فاسد نہیں ہو گی۔ ان تین شرائط کے علاوہ اگر کوئی ایسی شرط ہو، جس میں معاقدین میں سے کسی ایک یا معقود علیہ (جس چیز پر عقد ہو رہا ہو) کا فائدہ ہو تو یہ شرط فاسد ہے اور اس کے ساتھ بیع فاسد ہو گی اور اگر وہ ایسی شرط ہو جس میں معاقدین میں سے کسی ایک کا فائدہ نہ ہو اور نہ ہی معقود علیہ کا فائدہ ہو تو وہ شرط باطل ہو گی اور عقد صحیح ہو گا۔ (۳۷) شافعیہ کا مذہب حنفی مذہب کے قریب قریب ہے، وہ شرط جس کا عقد تقاضا کرتا ہے، ان کے ہاں ظاہری طور پر درست ہے اور وہ شرط جو عقد کے مناسب ہے، اس کو شافعی مذہب میں یوں کہا جاتا ہے: ایسی شرط جس میں عقد کی مصلحت ہے یا وہ شرط جس کی طرف حاجت بلاتی ہے، وہ ان کے ہاں اس تعبیر کے ساتھ جائز ہے۔ (۳۸) اگر ایسی شرط لگائی جائے جس کا عقد تقاضا نہیں کرتا، لیکن اس میں مصلحت ہو تو اس سے عقد باطل نہیں ہو گا۔ (۳۹) اور وہ شرط جس کے اوپر تعامل جاری ہو، شوافع کے ہاں نہی سے مستثنیٰ نہیں (جیسا کہ وہ احناف کے ہاں مستثنیٰ ہے)۔ وہ شرط جس میں کوئی غرض نہ ہو اور نہ ہی کسی کی منفعت ہو تو

ایسی شرط شافعیہ کے ہاں لغو ہے، اس کی وجہ سے عقد فاسد نہیں ہوتا۔ (۴۰) مالکی مذہب کے ہاں شرط دو صورتوں میں فاسد ہو گی، جب شرط عقد کے مقتضٰی کے مخالف ہو اور جب شرط ایسی ہو جو ثمن میں خلل ڈالے۔ ان کے ہاں جب شرط عقد کے مقتضٰی کے خلاف ہو پھر اگر شرط پر عمل کیا جائے تو عقد میں خلل لازم آئے گا، جس سے شرط اور عقد دونوں باطل ہو جائیں گے۔ اسی طرح جب شرط عقد کے مقتضٰی کے خلاف ہو لیکن شرط پر عمل کرنے کی صورت میں عقد میں خلل نہ آئے، تو صرف شرط باطل ہو گی اور عقد جائز ہو کر باقی رہے گا۔ نیز ثمن میں خلل ڈالنے والی شرط عقد کو باطل کر دے گی، سوائے اس کے کہ شرط لگانے والا اس سے رجوع کر لے، پس شرط ساقط ہو جائے گی اور عقد باقی رہے گا۔ ان شرائط کے علاوہ باقی تمام صورتیں امام مالک کے ہاں جائز ہیں۔ (۴۱) امام احمد بن حنبل کے نزدیک بیع میں اگر ایسی شرط لگائی جائے (چاہے مقتضائے عقد کے خلاف ہو) تو ایک شرط لگانا جائز ہے اور بیع بھی جائز ہے لیکن اگر ایک سے زائد شرائط ہوں تو شرط اور عقد دونوں مطلّقاً فاسد ہوں گے۔ گویا دو شرطیں لگانا امام احمد کے نزدیک ہر صورت میں بیع کو فاسد کر دیتا ہے اور ایک شرط کی صورت میں وہی تفصیل ہے جو مالکیہ کے ہاں ہے۔ (۴۲)

بیع میں شرط کا مسئلہ صحابہ اور تابعین کے عہد سے ہی اختلافی ہے۔ عصرِ حاضر میں چونکہ بیع میں بہت سی شروط رائج ہو چکی ہیں۔ اس ضمن میں مفتی تقی عثمانی صاحب نے مسلکِ حنفی کی تائید میں ان شرائط کو جائز قرار دیا، جو عقد کے مناسب ہوں یا جن پر عمل جاری ہو۔ جیساکہ وہ بیان کرتے ہیں:

''وقد كثرت فی عهدنا أنواع الشروط فی البيوع والاجارات و غيرها، فكل ماجری به التعامل العام كان جائزا، مثل ما تعورف فی العالم كله أن مشتری الثلاجات، والدافئات، والماكينات الأخری يشترط علی البائع القيام بتصليحها كلما عرضها فساد فی حدود مدة معلومة، كالسنة أو السنتين مثلا، فان هذا الشرط جائز لشيوع التعامل بها''۔ (۴۳)

''ہمارے زمانے میں بیوع اور اجاروں میں مختلف قسم کی شروط بہت زیادہ ہو چکی ہیں، پس ہر وہ شرط جس پر تعامل جاری ہو چکا ہو، جائز ہے، جیساکہ ساری دنیا میں معروف ہے کہ فریج، انجن اور دوسری مشینوں کا خریدار بائع پر شرط لگاتا ہے کہ وہ ان کی سروس کی نگرانی کرے گا، جب بھی ان کو مدتِ معلوم کی حدود کے اندر خرابی پیش آئے گی، جیسے ایک سال یا دو سال (کے اندر) پس یہ شرط اس پر عمل کے جاری ہونے کی وجہ سے جائز ہے''۔

اسی طرح مصنف موصوف نے اس قسم کی شرائط کو حکومت کی جانب سے قانون بنا کر نافذ کر دینے کا جواز بھی ذکر کیا ہے، علاوہ اس کے کہ اس کے اندر کوئی سابق تعامل ہو۔ جیساکہ وہ رقمطراز ہیں:

''والذی يظهر أن ذلک يجوز، مالم يؤد ذلک الی الربا۔ فان العلة فی منع الاشتراط هو الافضاء الی النزاع۔۔۔فكما أن النزاع يرتفع بالتعامل السابق، فانه يرتفع أيضا بتقنين من قبل الحكومة''۔ (۴۴)

''ظاہر یہی ہے کہ یہ (حکومت کی جانب سے ان شرائط کا بطورِ قانون نفاذ) جائز ہے، جب تک یہ سود تک نہ پہنچے، شرط کے منع ہونے میں علت جھگڑے تک پہنچانا تھا۔۔۔ جس طرح سابق تعامل کے ساتھ جھگڑا ختم ہو جائے گا، ایسے ہی وہ جھگڑا حکومت کی طرف سے قانون بنانے کے ساتھ بھی ختم ہو جائے گا''۔

مسائلِ عصریہ کا استنباط

بعض مقامات پر مفتی تقی عثمانی صاحب نے شرح احادیث کے دوران زمانۂ حال کے مسائل کا استنباط بھی کیا ہے۔ اس منہج کے کچھ نظائر ملاحظہ کیجئے۔

۱۔ بیع غرر کے تحت معمولی دھوکہ والی چیزوں کی بیع کا جواز بیان کرتے ہوئے موصوف نے امام نووی کے حوالے سے نقل کیا:

''أجمع المسلمون على جواز أشياء فيها غرر حقير، منها أنهم أجمعوا على صحة بيع الحبة المحشوة وان لم يرحشوها، ولو بيع حشوها بانفراده لم يجز، وأجمعوا على جواز اجارة الدار والدابة والثوب و نحو ذلک شهرا مع أن الشهر قد يكون ثلاثين يوما وقد يكون تسعة وعشرين، وأجمعوا على جواز دخول الحمام بالأجرة مع اختلاف الناس فی استعمالهم الماء وفی قدر مكثهم، وأجمعوا على جواز الشرب من السقاء بالعوض مع جهالة قدر المشروب واختلاف عادة الشاربين وعكس هذا''۔ (۴۵)

''مسلمانوں کا ان چیزوں کے جواز پر اجماع ہے جس میں معمولی دھوکہ ہو، اس دانے کی بیع کے صحیح ہونے پر اجماع ہے جو سٹے کے اندر ہوتا ہے، اگرچہ اس کا خوشہ نظر نہیں آتا، اگر صرف اس کے سٹے بیچے، دانہ نہیں، تو جائز نہیں، ایسے ہی مکان، سواری اور کپڑے وغیرہ کو مہینے کے کرایہ پر دینے کے جواز پر اجماع ہے، باوجود یہ کہ مہینے کے کبھی تیس دن ہوتے ہیں اور کبھی انتیس، ایسے ہی نہانے کی اجرت کے جواز پر اجماع ہے باوجود یہ کہ لوگ پانی کے استعمال میں اور ٹھہرنے کی مدت کے حساب سے مختلف ہوتے ہیں، ایسے ہی مشکیزہ میں سے مشروب کی مقدار کی جہالت اور پینے والوں کی عادات کے مختلف ہونے کے باوجود، معاوضہ کے ساتھ پینے کے جواز پر اجماع ہے''۔

مفتی تقی عثمانی صاحب نے امام نووی کی اس تحقیق سے عصرِ حاضر کے مسائل کا استنباط یوں کیا:

''ويخرج على هذا كثير من المسائل فی عصرنا، فقد جرت العادة فی بعض الفنادق الكبيرة أنهم يضعون أنواعا من الأطعمة فی قدور كبيرة، ويخيرون المشترى فی أكل ما شاء بقدر ما شاء، ويأخذون ثمنا واحدا معينا من كل احد، فالقياس أن لا يجوز البيع لجهالة الأطعمة المبيعة وقدرها، ولكنه يجوز لأن الجهالة يسيرة غير مفضية الى النزاع، وقد جرى بها العرف والتعامل۔ وكذلک استيجار السيارات، ربما لا يعرف سائقها مسافة السفر ولا تتعين الأجرة فی بداية السفر، ولكن هذه الجهالة تتحمل، لكون العداد رافعا للنزاع، ويتفق الراكب والسائق على أجرة يدل عليها العداد، فلا يقع النزاع''۔(۴۶)

''ان اصولوں سے ہمارے زمانے کے بہت سے مسائل نکالے جا سکتے ہیں، بعض بڑے ہوٹلوں میں عادت جاری ہے کہ وہ بڑی بڑی ڈشوں میں طرح طرح کے کھانے رکھ دیتے ہیں اور مشتری کو اختیار دے دیتے ہیں کہ وہ جو چیز چاہے، جتنی چاہے کھالے اور وہ ہر کسی سے معین ثمن لیتے ہیں، قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ کھانے اور اس کی مقدار کی جہالت کی وجہ سے یہ بیع جائز نہ ہو، لیکن یہ جائز ہے کیونکہ جہالت معمولی ہے، یہ جھگڑے تک نہیں پہنچتی اور اس پر عرف اور لوگوں کا رواج چل رہا ہے۔ اسی طرح گاڑیوں کو کرایہ پر لینا، اکثر ڈرائیور سفر کی مقدار کو نہیں جانتا اور سفر کے شروع میں اجرت

متعین نہیں ہوتی، لیکن اس جہالت کو برداشت کیا جاتا ہے، کیونکہ میٹر جھگڑے کو مٹانے والا ہے اور سوار اور ڈرائیور اس اجرت پر متفق ہو جاتا ہے جس پر میٹر دلالت کرے، تو جھگڑا واقع نہیں ہوگا"۔

۲۔ قبضہ سے قبل بیع کی ممانعت کی مختلف حکمتیں ذکر کرتے ہوئے عصرِ حاضر کے حوالے سے مفتی تقی عثمانی صاحب نے بیان کیا:

"وقد ظهرت فی زماننا حكمة أخرى لهذا الحكم، وهی أن البيع قبل القبض فی زماننا يحدث غلاء فی السوق، وكثيرا ما يفعله تجارزماننا فی التجارة الدولية، فنشاهد اليوم أن الباخرة تجری بالبضائع من اليابان مثلاً، فيبيعه الذی يصدره الی غيره، ثم هو الی ثان، والثانی الی ثالث، وهكذا، فتجری على البضاعة الواحدة بياعات ربما تجاوز عشرة، وكل ذلک قبل وصول الباخرة الی الميناء، وينتج ذلک أن البضاعة التی كانت قيمتها بضع ربيات فی اليابان، لا تصل الی سوق بلادنا الا بعد ما تصير قيمته ماءة أو أكثر، لأن كل تاجر يشتريها قبل الوصول يبيعها بربح الی غيره، وتصير الأرباح كلها بأيدی تجرة معدودين، ويصير الغلاء نصيب العامة، ولاحول ولاقوة الا بالله العظيم، ولو أنهم عملوا بأمر النبی الكريمﷺ لم يبيعوا البضائع حتى تصل الی البلاد، وحتى يقبضها البائع، فتقل الأرباح المتوسطة، وترخص الأثمان فی السوق"۔ (۴۷)

"ہمارے زمانہ میں اس حکم کی ایک اور حکمت ظاہر ہو گئی ہے کہ قبضہ سے قبل بیع ہمارے زمانہ میں منڈی میں مہنگائی پیدا کرتی ہے اور ہمارے زمانہ کے اکثر تاجر بین الاقوامی تجارت کرتے ہیں، پس ہم دیکھتے ہیں کہ بحری جہاز سامان لے کر جاپان سے چلتا ہے، تو وہ اس (سامان) کو بیچ دیتا ہے جو اس کو کسی نے بیچا ہوتا ہے، یہ کسی دوسرے کو اور دوسرا تیسرے کو (بیچتا ہے) اور اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہا ہے، پس ایک سامان کے اوپر کئی بیوعات جاری ہو جاتی ہیں، اکثر ان کی تعداد دس سے بھی زیادہ تک پہنچ جاتی ہے اور یہ ساری بیوعات بندرگاہ تک پہنچنے سے پہلے ہی ہو چکی ہوتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ سامان جس کی قیمت جاپان میں چند روپے ہوتی ہے، ہمارے ملک کی منڈیوں میں پہنچنے سے پہلے اس کی قیمت سو یا اس سے زائد ہو جاتی ہے، کیونکہ ہر تاجر اسے پہنچنے سے پہلے ہی خریدے گا اور نفع کے ساتھ دوسرے کو بیچ دے گا اور تمام منافع سارے کے سارے چند تاجروں کے ہاتھوں میں رہیں گے اور عام لوگوں کے حصے میں مہنگائی آئے گی۔ اگر یہ تاجر نبی ﷺ کے حکم پر عمل کریں، تو وہ سامان کو نہ بیچیں، حتیٰ کہ سامان شہروں تک پہنچ جائے اور بائع اس پر قبضہ کر لے، پس درمیانی منافع ٹوٹ جائیں گے اور بازار میں اشیاء کے نرخ سستے ہو جائیں گے"۔

۳۔ حرمتِ سود کے تحت عصرِ حاضر میں سود کی بنیاد پر رائج بینکوں کے نظام کے مفاسد صاحبِ تکملہ نے یوں بیان کیے:

"ثم ان نظام البنوک الرائجة اليوم، الذی يسير على أساس الربا، له من المفاسد ما لا يعد ولا يحصى فانه يفسد نظام توزيع الثروة على الناس، ويجعل الأموال دولةً بين الأغنياء فحسب، ويعوق الأسواق عن مسيرها الطبيعی، ويجعلها مملوكةً لأثرياء معدودين"۔ (۴۸)

"آج کل سود کی بنیاد پر چلنے والے بینکوں کے رائج نظام میں اتنے مفاسد ہیں، جو کسی گنتی و شمار میں نہیں آ سکتے، یہ دولت کو لوگوں پر تقسیم ہونے کے نظام کو خراب کر دیتا ہے اور اموال کو صرف مالداروں کے درمیان گردش کا ذریعہ بنا

دیتا ہے اور یہ بازاروں کو ان کی طبیعی چال میں چلنے سے رکاوٹ ڈالتا ہے اور منڈیوں کو چند سرمایہ داروں کا مملوک بنا دیتا ہے"۔

المختصر یہ کہ تکملہ فتح الملہم کو شروح صحیح مسلم میں امتیازی مقام حاصل ہے۔ مفتی تقی عثمانی صاحب نے اپنے والد مفتی محمد شفیع کے حکم پر یہ شرح لکھی۔ پے در پے مشغولیات، لگاتار اسفار اور متفرق انواع کی مصروفیات کی وجہ سے صاحب تکملہ نے اٹھارہ سال اور نو ماہ کی مدت میں اس شرح کی تکمیل کی۔ جدید انداز و اسلوب پر مرتب یہ شرح ایک امتیازی مقام کی حامل ہے۔ اس میں حدیث و فقہ کی متد اول اور اساسی کتب پر انحصار کیا گیا ہے۔ تکملہ فتح الملہم کے بالاستیعاب مطالعہ سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ مصنف موصوف کی اس شرح میں امورِ معاشیہ سے متعلق کافی و شافی تفصیلات موجود ہیں۔ شرح ہذا جدید معاشی مسائل کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ مسائلِ جدیدہ کے ساتھ ساتھ موصوف امورِ معاشیہ سے متعلق مختلف ابحاث بھی زیر بحث لائے ہیں۔ مثلاً مخصوص اشیاء کی خرید و فروخت کے احکام، اکتسابِ دولت کے حلال و حرام ذرائع اور متقدمین فقہائے کرام کے اجتہادات میں عصری تقاضوں کے پیشِ نظر مفتی تقی عثمانی صاحب کی ترمیمات کا بیان تکملہ کا ایک حصہ ہے۔ مزید برآں اسلام کے معاشی نظام پر مغرب زدگان کے اعتراضات کا ناقدانہ جائزہ بھی شاملِ تکملہ ہے۔ صاحبِ تکملہ کو عربی زبان پر قدرت اور عصری علوم میں دسترس حاصل ہے۔ انہوں نے مسائلِ جدیدہ کے حل میں اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ صرف کیا اور قدرت کی طرف سے انہیں اسلامی نظریاتی کونسل، وفاقی شرعی عدالت، مختلف اسلامی بینکوں اور اقتصادی مراکز میں جدید مسائل کو سمجھنے اور ان کے شرعی احکام واضح کرنے کے مواقع میسر آئے۔ چنانچہ انہوں نے شرح ہذا میں جدید معاشی مسائل کا حل امت کے سامنے پیش کیا ہے۔

References

(۱) ماخوذ از تقی عثمانی، محمد، مفتی، اسلام اور جدید معاشی مسائل، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۴۲۹ھ، ۳/۳۴

(۲) تقی عثمانی، محمد، مفتی، تکملہ فتح الملہم، مکتبۃ دار العلوم کراچی، ۱۴۲۲ھ، ۱/۳۶۱۔۳۶۲

(۳) تکملہ، ۱/۳۶۲؛ ابن عابدین، محمد امین بن عمر بن عبد العزیز، رد المحتار علی الدر المختار حاشیۃ ابن عابدین علی شرح الشیخ علاء الدین العصکفی لمتن تنویر الابصار للشیخ شمس الدین التمرتاشی، تحقیق، عبد الحمید طعمہ الحلبی، مکتبۃ رشیدیۃ، سرکی روڈ، کوئٹہ، س۔ن، کتاب البیوع، ۷/۳۰۔۳۱

(۴) تکملہ، ۱/۳۶۳

(۵) تکملہ، ۱/۳۶۳

(٦) تکملہ، ۱/۳۶۳

(۷) تفصیل کے لیے دیکھیے، تکملہ، ۱/۳۶۳

(۸) تکملہ، ۱/۳۶۳؛ المرغینانی، علی بن ابی بکر، برھان الدین، الھدایۃ (عکسی) مع الدرایۃ للعلامۃ ابی الفضل احمد بن علی بن محمد العسقلانی مع الحاشیۃ للعلامۃ عبد الحئ لکھنوی، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور، س۔ن، کتاب البیوع، باب: البیع الفاسد وشروحھا، ۳/۵۸

(۹) تکملہ، ۳۶۴/۱

(۱۰) ایضاً

(۱۱) تکملہ، ۳۶۴/۱۔۳۶۵

(۱۲) تکملہ، ۳۶۵/۱

(۱۳) تکملہ، ۳۹۳/۱

(۱۴) ایضاً

(۱۵) تکملہ، ۳۹۳/۱؛ ردالمختار، ۸۵/۷

(۱۶) تفصیلات کے لیے دیکھئے، تکملہ ھذا، ۳۹۴/۱

(۱۷) تکملہ، ۳۹۴/۱

(۱۸) تکملہ، ۳۹۴/۱

(۱۹) تکملہ، ۳۹۴/۱

(۲۰) تکملہ، ۳۹۴/۱؛ ردالمختار، کتاب البیوع، ۸۷/۷۔۸۸؛ الھدایۃ مع الدرایۃ، کتاب البیوع، ۲۷/۳

(۲۱) تکملہ، ۳۹۴/۱؛ الھدایۃ مع الدرایۃ، کتاب البیوع، ۲۷/۳۔۲۸؛ ردالمختار، کتاب البیوع، مطلب: فی بیع الثمر والزرع والشجر مقصودا، ۸۵/۷

(۲۲) ایک شخص کے ذمہ دین (قرض) تھا، اس نے اپنا دین کسی اور کے ذمہ میں منتقل کر دیا اور کہا کہ اس سے وصول کرنے کی بجائے تم فلاں سے وصول کر لینا، اس کو حوالہ کہتے ہیں۔

(۲۳) تکملہ، ۵۱۵/۱

(۲۴) تکملہ، ۵۱۵/۱

(۲۵) ماخوذ از تقی عثمانی، اسلام اور جدید معاشی مسائل، ۲۲۴/۷۔۲۲۵

(۲۶) ماخوذ از تکملہ، ۵۱۶/۱

(۲۷) ماخوذ از تکملہ، ۵۱۷/۱؛ اشرف علی تھانوی، امداد الفتاوی، مکتبۃ دار العلوم کراچی، الطبعۃ السابعۃ، ۱۴۱۳ھ، ۵/۲

(۲۸) تکملہ، ۵۱۷/۱؛ الساعاتی، احمد عبدالرحمن البنا، الفتح الربانی مع شرحہ بلوغ الامانی، دار الحدیث عطفۃ الرسّام بالغوریۃ، القاہرۃ، س۔ن، ۲۵۰/۸۔۲۵۱

(۲۹) کتاب عطر الھدایۃ، ص: ۲۱۸۔۲۲۷ بحوالہ تکملہ، ۵۱۷/۱

(۳۰) تکملہ، ۵۱۹/۱

(۳۱) تکملہ، ۵۱۹/۱۔۵۲۰

(۳۲) تکملہ، ۵۲۰/۱

(۳۳) تکملہ، ۵۹۰/۱

(۳۴) تفصیل کے لیے دیکھئے، تکملہ، ۵۹۰/۱

(۳۵) تکملہ، ۶۲۹/۱

(۳۶) تکملہ، ۶۲۹/۱؛ابن حزم، علی بن احمد بن سعید، ابو محمد، المحلی، دار الجیل، بیروت، دار الافاق الجدیدۃ، بیروت، س۔ن، احکام البیوع، ۸/ ۴۱۵، ۴۱۲۔۴۱۶

(۳۷) ماخوذ از تکملہ، ۶۲۹/۱

(۳۸) تکملہ، ۶۳۰/۱

(۳۹) تکملہ، ایضاً؛ابراہیم بن علی بن یوسف، الشیرازی، المھذب فی فقہ مذہب الامام الشافعی، مطبعۃ عیسی البابی الحلبی، وشرکاہ، مصر، س۔ن، کتاب البیوع، باب: مایفسد من البیع من الشروط ومالایفسدہ، ۲۶۸/۱

(۴۰) ملخص از تکملہ، ۶۲۹/۱۔۶۳۰

(۴۱) ملخص از تکملہ، ۶۳۱/۱۔۶۳۲؛ابن رشد، محمد بن احمد بن محمد بن احمد، القرطبیؒ، ملخص از بدایۃ المجتھد ونھایۃ المقتصد، مکتبہ نزار مصطفی الباز، الریاض، مکۃ المکرمۃ، ۱۴۱۵ھ، کتاب البیوع، ۲/ ۲۷۹۔۲۸۱؛ حطّاب، محمد بن محمد بن عبد الرحمن المغربی، مواھب الجلیل، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۳۹۸ھ، کتاب البیوع، ۴/ ۲۷۳۔۳۷۳

(۴۲) ملخص از تکملہ، ۶۳۲/۱

(۴۳) تکملہ، ۶۳۵/۱

(۴۴) تکملہ، ۶۳۶/۱

(۴۵) تکملہ، ۳۲۰/۱؛النووی، یحییٰ بن شرف، ابوزکریا، صحیح مسلم بشرح النووی، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، ۱۴۰۱ھ، کتاب البیوع، باب: بطلان بیع الحصاۃ والبیع الذی فیہ غرر، ۱۵۶/۱۰

(۴۶) تکملہ، ۳۲۰/۱

(۴۷) تکملہ، ۳۵۴/۱

(۴۸) تکملہ، ۵۷۵/۱